درس ۲۶

اُمت مسلمہ سے خطاب کے ضمن میں
قرآنِ حکیم کی جامع ترین سورت
اُمُّ المُسَبِّحات : سورۃ الحدید

(۱)

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم ...... امّا بعد:

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرّجیم ۔ بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

﴿سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۞ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ ۚ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۞ هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ۞ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ ۚ یَعْلَمُ مَا یَلِجُ فِی الْاَرْضِ وَمَا یَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا یَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا یَعْرُجُ فِیْهَا ۚ وَهُوَ مَعَكُمْ اَیْنَ مَا كُنْتُمْ ۚ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ۞ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَاِلَی اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۞ یُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّهَارِ وَیُوْلِجُ النَّهَارَ فِی الَّیْلِ ۚ وَهُوَ عَلِیْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۞﴾ ..... صدق اللہ العظیم

الحمدللہ' ثم الحمدللہ کہ ہم اپنے مطالعۂ قرآن حکیم کے منتخب نصاب کے آخری حصے تک پہنچ گئے ع شکر صد شکر کہ جمازہ بمنزل رسید!

اس منتخب نصاب کی ترتیب' جیسا کہ اس سے پہلے بیان کیا گیا' کچھ یوں ہے کہ یہ چھ حصوں پر مشتمل ہے۔ درمیانی چار حصے یعنی دوسرا' تیسرا' چوتھا اور پانچواں حصہ سورۃ

العصر میں واردشدہ چار لوازمِ فلاح یا شرائطِ نجات میں سے ایک ایک کی شرح و تفصیل پر مشتمل ہے۔ یعنی (i) ایمان (ii) عمل صالح (iii) تواصی بالحق اور (iv) تواصی بالصبر۔ اس کے اوّل و آخر یعنی پہلے اور چھٹے حصّے میں کچھ جامع اسباق شامل کئے گئے ہیں کہ جن میں ان چاروں لوازمِ نجات کا بیان جامعیت کے ساتھ آیا ہے۔ یہ عجیب حسنِ اتفاق ہے کہ پہلا سبق چار اسباق پر مشتمل ہے' جبکہ آخری حصّہ ایک ہی سورت یعنی سورۃ الحدید پر مشتمل ہے جو چار رکوعوں پر پھیلی ہوئی ہے۔ یہ سورۂ مبارکہ ستائیسویں پارے کے بالکل آخر میں وارد ہوئی ہے۔ اس کی ابتدائی چھ آیات پر مشتمل اس سورۂ مبارکہ کا پہلا حصّہ اس وقت ہمارے زیرِ مطالعہ ہے۔ ترتیبِ مصحف میں یہ سورۂ مبارکہ جس مقام پر وارد ہوئی ہے اور جامعیت کے اعتبار سے اس کا جو مرتبہ و مقام ہے' اس کے بارے میں ان چند باتوں کو اجمالاً ذہن میں تازہ کر لیجئے جو ترتیبِ مصحف سے متعلق پہلے بھی کسی موقع پر عرض کی جا چکی ہیں۔

سورتوں کی گروپ بندی

قرآن حکیم کی ایک سو چودہ سورتوں کی ایک معروف تقسیم تو یہ ہے کہ یہ سات احزاب یا سات منزلوں میں منقسم ہیں جو حجم کے اعتبار سے قریباً مساوی ہیں۔ اس تقسیم سے مقصود یہ ہے کہ اگر کوئی شخص روزانہ ایک منزل کی تلاوت کرے تو ایک ہفتے میں قرآن مجید ختم کر لے۔ البتہ چونکہ یہ تقسیم دورِ نبویؐ میں موجود تھی لہٰذا اس میں حسن کا یہ پہلو موجود ہے کہ سورۂ فاتحہ کو اگر الگ رکھیں کہ یہ پورے قرآن مجید کے لئے ایک دیباچے اور مقدمے کی حیثیت رکھتی ہے تو پہلی منزل میں تین سورتیں ہیں' دوسری میں پانچ' تیسری میں سات' چوتھی میں نو' پانچویں میں گیارہ' چھٹی میں تیرہ اور پھر ساتویں منزل میں' جسے حزبِ مفصّل کہا جاتا ہے' ساٹھ سے زائد سورتیں شامل ہیں۔

تاہم ایک تقسیم ان سورتوں کی اور بھی ہے۔ قرآن مجید میں ہمیں مکی اور مدنی سورتیں گڈمڈ نظر آتی ہیں' لیکن ان میں بڑی معنویت پنہاں ہے۔ چنانچہ ایک ترتیب میں آنے والی مکی اور مدنی سورتوں کو جمع کر کے اگر گروپ بندی کی جائے تو اس طرح

بھی سات گروپ وجود میں آتے ہیں۔اس طرح سے وجود میں آنے والے ہر گروپ کا آغاز ایک یا ایک سے زائد مکی سورتوں سے ہوتا ہے اور اختتام ایک یا ایک سے زائد مدنی سورتوں پر۔ یہ گروپ بندی معنوی لحاظ سے ہے' چنانچہ اس میں حجم کا لحاظ نہیں ہے۔ کوئی گروپ بہت طویل ہے اور کوئی بہت مختصر۔ لیکن اگر بنظرِ غائر دیکھا جائے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ مکی اور مدنی سورتوں کے اجتماع سے وجود میں آنے والے ہر گروپ کا کوئی ایک مرکزی مضمون ہوتا ہے جسے اس گروپ میں شامل مکی اور مدنی سورتیں مل کر مکمل کرتی ہیں۔ اس مضمون کا ایک رخ اس گروپ کی مکی سورتوں میں بیان ہوتا ہے تو دوسرا رُخ اسی گروپ کی مدنی سورتوں کے ذریعے سامنے آتا ہے۔ یوں دونوں مل کر اس مضمون کی تکمیل کرتے ہیں۔ اس طرح کے بھی سات ہی گروپ قرآن مجید میں پائے جاتے ہیں۔

پہلے اور آخری گروپ میں ایک عجیب عکسی (reciprocal) نسبت ہے کہ پہلے گروپ میں مکی سورت صرف ایک ہے' یعنی سورۂ فاتحہ جو نہایت مختصر سورۃ ہے اور کل سات آیات پر مشتمل ہے' جبکہ مدنی سورتیں چار ہیں جو بہت طویل ہیں اور تقریباً سات پاروں پر پھیلی ہوئی ہیں۔ یعنی سورۃ البقرۃ' آل عمران' النساء اور المائدۃ۔ اس کے بالکل برعکس ہے آخری گروپ جو آخری دو پاروں پر محیط ہے۔ اس کا آغاز سورۃ الملک سے ہوتا ہے اور تقریباً یہ پورے دونوں پارے مکی سورتوں پر ہی مشتمل ہیں' صرف آخر میں چھوٹی چھوٹی چند سورتیں مدنی ہیں۔ یہ تو تھا معاملہ پہلے اور آخری گروپ کا' درمیانی گروپوں میں بھی بڑا توازن نظر آتا ہے۔

دوسرا گروپ اور آخری سے دوسرا یعنی چھٹا گروپ اس پہلو سے نہایت متوازن ہیں کہ ان میں مکی اور مدنی سورتوں کا تناسب تعداد اور حجم کے اعتبار سے قریباً مساوی ہے۔ (الانعام اور الاعراف مکیات ہیں' جبکہ الانفال اور التوبۃ مدنیات)...... جبکہ چھٹے گروپ میں سات سورتیں مکی ہیں جو تقریباً ایک پارے یا اس سے قدرے زائد پر پھیلی ہوئی ہیں' اور دس سورتیں مدنی ہیں جو حجم کے اعتبار سے تقریباً سوا پارہ بنتی ہیں۔ گویا کہ

وہی توازن جو دوسرے گروپ میں تھا یہاں چھٹے گروپ میں بھی موجود ہے۔ اس گروپ کے بارے میں یہ بات بڑی نمایاں ہے کہ اس کی مکیات فصاحت و بلاغت' ترکیبِ الفاظ اور صوتی آہنگ (rhythm) کے اعتبار سے قرآن مجید میں منفرد مقام اور نمایاں مرتبے کی حامل ہیں' یعنی سورۃ قٓ' سورۃ الذاریات' سورۃ الطّور' سورۃ النجم' سورۃ القمر' سورۃ الرحمٰن اور سورۃ الواقعہ۔ ان میں ایک سورۃ وہ بھی ہے' یعنی سورۃ الرحمٰن' جسے نبی اکرم ﷺ نے ''عروس القرآن'' قرار دیا ہے۔ گویا لفظی اور ادبی اعتبار سے قرآن مجید کا حسین ترین حصّہ یہی ہے کہ جو اس گروپ کی مکیات پر مشتمل ہے۔

اس گروپ کی مدنیات بھی دو اعتبار سے نمایاں مقام و مرتبہ کی حامل ہیں۔ ایک تو اس پہلو سے کہ مدنی سورتوں کا اتنا بڑا اکٹھ قرآن حکیم میں اور کہیں نہیں ہے' اور دوسرے اس پہلو سے کہ ان سورتوں میں اہم مضامین کے خلاصے آ گئے ہیں جن کی ہمارے نقطۂ نگاہ سے بڑی اہمیت ہے۔ قرآن مجید کے بہت سے اہم موضوعات بالخصوص وہ کہ جو مسلمانوں سے بحیثیتِ اُمتِ مسلمہ متعلق ہیں اور جو طویل مکی اور مدنی سورتوں میں تفصیل کے ساتھ آئے ہیں' ان سب کے خلاصے گویا ان دس چھوٹی سورتوں کی شکل میں ہمیں عطا کر دیئے گئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان دس میں سے چھ سورتیں ہمارے اس منتخب نصاب میں شامل ہیں' جن میں سے پانچ کا مطالعہ اس سے قبل ہم کر چکے ہیں' یعنی سورۃ الصّف' سورۃ الجمعۃ' سورۃ المنافقون' سورۃ التغابن اور سورۃ التحریم جبکہ چھٹی سورۃ (الحدید) ہمارے زیرِ مطالعہ ہے۔

یہ بات پہلے بھی کسی موقع پر عرض کی جا چکی ہے کہ ان دس سورتوں میں سے پانچ کی اضافی امتیازی شان یہ ہے کہ ان کا آغازِ تسبیح باری تعالیٰ کے ذکر سے ہوتا ہے' ﴿سَبَّحَ لِلّٰهِ﴾ یا ﴿یُسَبِّحُ لِلّٰهِ﴾ کے الفاظِ مبارکہ سے۔ چنانچہ ان کے لئے ایک مجموعی نام ''اَلْمُسَبِّحات'' تجویز کیا گیا ہے۔ یہ پانچ سورتیں سورۃ الحدید' سورۃ الحشر' سورۃ الصّف' سورۃ الجمعۃ اور سورۃ التغابن ہیں' جن میں سوائے سورۃ الحشر کے' بقیہ چاروں سورتیں ہمارے اس منتخب نصاب میں شامل ہیں۔

سورۃ الحدید۔ اُمُّ المُسَبِّحات

اس گروپ کی پہلی سورۃ سورۃ الحدید ہے‘ جو اس سلسلۂ سُور کی طویل ترین سورۃ ہے اور چار رکوعوں میں پھیلی ہوئی ہے‘ جبکہ بقیہ نو سورتوں میں سے دو سورتیں تین تین رکوعوں کی ہیں اور باقی سات دو دو رکوعوں پر مشتمل ہیں۔ سورۃ الحدید کو اس پہلو سے اس گروپ کی جامع ترین سورۃ قرار دیا جا سکتا ہے کہ یہ اُن تمام مضامین کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے جو بقیہ سورتوں میں الگ الگ زیر بحث آئے ہیں۔ اس اعتبار سے اگر اسے ”اُمُّ الْمُسَبِّحَاتِ“ کہا جائے تو بات غلط نہ ہوگی۔ حقیقت یہ ہے کہ اُمت کے نام قرآن کا جو پیغام ہے‘ یا دوسرے لفظوں میں قرآن حکیم جو کچھ اُمتِ محمد علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے بحیثیتِ اُمت کہنا چاہتا ہے‘ اس کا خلاصہ اس ایک سورۂ مبارکہ میں پورے طور پر موجود ہے۔

سورۃ کا ابتدائی حصہ۔ ذات وصفاتِ باری تعالیٰ کی بحث

مضامین کے اعتبار سے اس سورۂ مبارکہ کو سات حصّوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ پہلا حصّہ ابتدائی چھ آیات پر مشتمل ہے۔ ان چھ آیات کے بارے میں واقعہ یہ ہے کہ میرا ایک بڑا گہرا تاثر ہے۔ ہوسکتا ہے کہ یہ میری نگاہ کے محدود ہونے کی بنا پر ہو‘ لیکن ان چھ آیات کے بارے میں یہ میرا بڑا گہرا احساس ہے کہ ذات وصفاتِ باری تعالیٰ کی بحث جس اعلیٰ ترین علمی سطح پر اور جس قدر جامعیت کے ساتھ سورۃ الحدید کی ان ابتدائی آیات میں آئی ہے‘ میرے ناقص علم کی حد تک پورے قرآن حکیم میں اس کی کوئی اور نظیر نہیں ہے۔ اسی طرح اسی سلسلۂ مسبّحات میں سورۃ الحشر کے اخیر میں اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ کا گلدستہ ہمیں ملتا ہے۔ وہاں جتنے اسماء یکجا آئے ہیں‘ قرآن مجید کے کسی دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ کے اتنے نام جمع نہیں ہوئے۔ یہ اس گروپ میں شامل سورتوں کی کچھ امتیازی خصوصیت اور امتیازی شان ہے۔ سورۃ الحدید کی یہ ابتدائی چھ آیات بلاشبہ معرفت خداوندی کا ایک بہت بڑا خزانہ ہیں کہ ان میں ذات وصفاتِ باری تعالیٰ کا بیان اعلیٰ ترین علمی سطح پر ہوا ہے۔

اس سے پہلے کہ ہم لفظ بلفظ ان آیات کا مطالعہ شروع کریں' مناسب ہوگا کہ یہ وضاحت کردی جائے کہ ''اعلیٰ ترین علمی سطح'' سے ہماری مراد کیا ہے۔

قبل ازیں اشارتاً یہ بات کہی جا چکی ہے اور حقیقت و اقسامِ شرک کے ضمن میں بھی یہ بات ضمناً زیر بحث آئی تھی کہ اپنے ذہن اور شعور کی سطح کے اعتبار سے سب لوگ برابر نہیں ہوتے' اس کے بے شمار مختلف درجے ہیں۔ جبکہ یہ قرآن ﴿هُدًى لِّلنَّاسِ﴾ ہے' پوری نوعِ انسانی کے لئے ہدایت بن کر نازل ہوا ہے۔ یہ عوام کے لئے بھی ہدایت ہے' جن میں کاشتکار' دہقان اور مزدور سب شامل ہیں' اور اس کے ساتھ ساتھ بڑے سے بڑے مفکر' بڑے سے بڑے فلسفی اور بڑے سے بڑے دانشور (intellectual) کے لئے بھی کہ جس کے سامنے فلسفے کے بڑے پیچیدہ مسائل ہوں اور وہ ان پر غور وفکر کر رہا ہو۔ یہی قرآن مجید ہے کہ جو اُن سب کے لئے ہدایت و رہنمائی کا سارا سامان اپنے اندر لئے ہوئے ہے۔ ان کی ذہنی پیاس کی سیری کا پورا سامان اور ان کی ساری علمی وفکری ضروریات کو پورا کرنے والا یہی قرآن مجید ہے۔ تاہم اس اعلیٰ ترین ذہنی سطح کے لوگوں سے قرآن کا تخاطب بالعموم بطرزِ خفی ہوتا ہے۔ بطرزِ جلی جو چیزیں زیادہ نمایاں ہو کر اور بار بار سامنے آتی ہیں ان میں بالعموم عوام الناس کی ضرورتوں کو مدّ نظر رکھا جاتا ہے اور اسی لئے عام فہم انداز اختیار کیا جاتا ہے۔ ذہین اور صاحبِ فہم لوگوں (intellectuals) کے لئے قرآن مجید میں جا بجا اشارات موجود ہیں' وہ اشارے کہ جو اُن کی ذہنی رہنمائی کے لئے کفایت کریں اور جن پر غور وفکر کے ذریعے وہ اپنی علمی وفکری الجھنوں کو رفع کر سکیں۔ چنانچہ عام فہم انداز میں توحید کا مسئلہ ہمیں قرآن حکیم میں بے شمار مقامات پر اور مختلف اسالیب میں ملتا ہے' لیکن اپنی بلند ترین سطح پر یہ ان آیاتِ مبارکہ میں زیر بحث آیا ہے۔

پہلی آیت۔ تسبیح باری تعالیٰ کا مفہوم

سورۃ الحدید کا آغاز ان پُرشکوہ الفاظِ مبارکہ سے ہوتا ہے: ﴿سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ ''تسبیح کرتی ہے اللہ کی ہر وہ چیز کہ جو آسمانوں اور زمین میں

ہے''۔ یہ سورۂ مبارکہ سلسلۂ مسبّحات کی پہلی کڑی ہے۔ تسبیح کے مفہوم پر سورۃ التغابن کے درس کے دوران تفصیلاً بحث ہو چکی ہے' بلکہ پھر کچھ اجمالی اشارے سورۃ الجمعۃ اور سورۃ الصّف کے درس کے دوران بھی اس ضمن میں کئے گئے ہیں۔ یہاں یہ نوٹ کیجئے کہ یہ سلسلۂ مسبّحات کی پہلی سورۃ ہے۔ یہاں تسبیح کے ساتھ ﴿لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ کے الفاظ آئے ہیں۔ آگے چل کر اس میں تاکید کا رنگ پیدا ہوا ہے۔ چنانچہ بعد کی سورتوں میں ﴿مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ﴾ کے الفاظ آئے ہیں۔ اسی طرح یہاں ''سَبَّحَ'' صیغہ ماضی ہے اور اس کے بعد دو اور سورتوں یعنی سورۃ الحشر اور سورۃ الصّف میں یہ لفظ اسی شکل میں آیا ہے' لیکن پھر آخری دو سورتوں (الجمعہ اور التغابن) میں یہ لفظ مضارع کے صیغے ''یُسَبِّحُ'' میں ڈھل گیا۔ توازن کا اس درجے اہتمام ہے کہ ''یُسَبِّحُ'' کا لفظ ایک بار سورۃ الحشر کے اختتام پر بھی لایا گیا ہے۔ اس طرح تسبیح کا ذکر تین مرتبہ فعل ماضی میں ہوا اور تین ہی مرتبہ فعل مضارع میں۔ گویا پورے زمان (ماضی' حال اور مستقبل) کا احاطہ ہو گیا اور ﴿مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ﴾ کے الفاظ چونکہ مکان کو محیط ہیں لہٰذا ان دونوں میں تسبیح باری تعالیٰ کے ذکر میں گویا زمان و مکان کا کامل احاطہ کر لیا گیا' کہ یہ تسبیح ہر شے کر رہی ہے' خواہ آسمانوں کی ہو یا زمین کی' ہمیشہ سے کر رہی ہے' ہر آن کر رہی ہے اور ہمیشہ کرتی رہے گی۔

تسبیح و تحمید کے ذریعے معرفتِ خداوندی کا جو طریقہ قرآن تجویز کرتا ہے یہ اس دریا کو ایک کوزے میں بند کرنے کے مترادف ہے۔ ان الفاظ میں ان عظیم حقائق کو سمو لیا گیا ہے جو قرآن مجید میں طویل مکی سورتوں مثلاً الانعام اور النحل میں تفصیل کے ساتھ آئے ہیں۔ قرآن کا دعویٰ ہے کہ: ﴿سَنُرِیْھِمْ اٰیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَفِیْٓ اَنْفُسِھِمْ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَھُمْ اَنَّہُ الْحَقُّ﴾ ''ہم انہیں اپنی نشانیاں دکھائیں گے آسمانوں میں بھی اور زمین میں بھی اور خود اُن کے اپنے باطن میں بھی' یہاں تک کہ یہ بات ان پر پورے طور پر مبرہن ہو جائے گی کہ (قرآن جس بات کی دعوت دے رہا ہے) وہ حق ہے''۔ ان آیاتِ آفاقی و انفسی کا تفصیلی حوالہ قرآن مجید میں ہمیں جا بجا ملتا ہے۔ اس مشرق سے

ابھرتے ہوئے سورج کو ذرا دیکھو‘ چاند تاروں کو دیکھو‘ آسمانوں کو دیکھو‘ زمین کو دیکھو‘ ہواؤں کے چلنے اور موسموں کے تغیر و تبدل پر غور کرو‘ رات اور دن کے الٹ پھیر پر ذرا دھیان کرو‘ یہ سب کچھ کس کی حکمت کا مظہر ہے؟ یہ کس کی صناعی اور خلاقی کے مظاہر ہیں؟ وہ کون سا ذہن ہے کہ جو اس پورے نظام کی پشت پر کارفرما ہے؟ وہ حکیم کون ہے جس کی حکمت کے یہ مظاہر ہیں؟ کون ہے وہ خلاق جس کی خلاقی کا یہ نقشہ سامنے آ رہا ہے؟ وہ المصور اور الباری کون ہے کہ جس کی تصویر گری کا یہ کمال تمہاری نگاہوں کے سامنے ہے۔ بڑے پیارے انداز میں کہا ہے اصغر گونڈوی نے کہ

ردائے لالہ و گل پردۂ ماہ و انجم
جہاں جہاں وہ چھپے ہیں‘ عجیب عالم ہے!

کوئی ہے کہ جو اِس پردۂ زنگاری میں چھپا ہوا ہے۔ ہر شے اپنی ذات سے اس کے کمالات کا اظہار کر رہی ہے۔ ہر شے اپنے وجود سے اس کے ہر نقص سے بری اور ہر عیب سے پاک ہونے کا اعلان کر رہی ہے۔ یہ ہے تسبیح باری تعالیٰ جس میں اس کائنات کا ایک ایک ذرہ لگا ہوا ہے: ﴿سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾۔ قرآن حکیم نے معرفتِ خداوندی کا یہی راستہ کھولا ہے۔ اگرچہ ایک راستہ اور بھی ہے جس کی نشاندہی قرآن نے کی ہے۔ کچھ لوگ وہ بھی ہیں کہ جو اس راستے کی طرف زیادہ ذہنی رجحان اور میلانِ طبع رکھتے ہیں جس کی تعبیر علامہ اقبال نے نہایت خوبصورت الفاظ میں کی ہے کہ ع

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغِ زندگی!

اپنے اندر جھانکو‘ تم اللہ کی آیات کا مشاہدہ کرو گے۔ جیسا کہ ابھی عرض کیا گیا‘ قرآن مجید میں اس کی جانب واضح اشارہ موجود ہے: ﴿سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ﴾ یہ الفاظ سورۂ حٰمٓ السجدۃ کی آخری آیات کے ہیں۔ اسی طرح سورۃ الذاریات میں فرمایا گیا: ﴿وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ۭ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ﴾ کیا تم دیکھتے نہیں‘ کیا تم کبھی اپنے باطن میں جھانکتے نہیں‘ اللہ کی آیات تمہارے اپنے باطن میں موجود ہیں۔ اللہ کی معرفت تمہارے قلب میں اور اس کی خداوندی کی ایک سلگتی ہوئی چنگاری

تمہاری روح کے اندر موجود ہے۔ تمہارے باطن میں اللہ کی نشانیاں اسی طرح موجود ہیں جیسے آفاق میں اس کی نشانیاں ہر چہار طرف پھیلی ہوئی ہیں۔ بہرکیف قرآن مجید اسی انداز سے معرفتِ خداوندی اور ایمان باللہ کی طرف دعوت دیتا ہے کہ یہ آسمان و زمین اور یہ بے شمار مظاہر فطرت تمہارے سامنے ہیں' ان کا مطالعہ کرو' ان پر غور کرو' ان کے ذریعے تمہیں اللہ کی معرفت حاصل ہوگی۔ گویا کہ خواہ یہ بات ان الفاظ میں قرآن مجید میں صراحتاً کہیں نہ آئی ہو لیکن انداز یہ اختیار کیا گیا ہے کہ یہ سلسلۂ کون و مکان اور مخلوقات کا یہ وسیع و عریض عالم لامحالہ مستلزم ہے کسی خالق کو' اور اس خالق کی صفات اس سلسلہ کون و مکان اور اس کے مظاہر میں چھلک رہی ہیں۔ چنانچہ اس کائنات میں اس کی حکمت بالغہ' اس کی قدرت کاملہ اور اس کے علم کامل کے مظاہر ہر چہار طرف موجود ہیں۔ اسی حقیقت کی تعبیر ان الفاظ میں کی گئی ہے کہ کائنات کی ہر شے اللہ کی تسبیح کر رہی ہے۔

اختیارِ مطلق اور حکمتِ کاملہ

آیت کے آخری ٹکڑے پر غور کیجئے: ﴿وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ یہاں حصر کا اسلوب ہے۔ ترجمہ یوں ہوگا کہ وہی العزیز اور الحکیم ہے۔ وہی ہے جو سب پر چھایا ہوا ہے' جس کے ہاتھ میں اختیارِ مطلق ہے' جو اختیارِ کلی کا مالک ہے۔ العزیز وہ ہستی ہوتی ہے کہ جس کے حکم کے آگے کوئی رکاوٹ نہ بن سکے' جس کی مرضی کے آگے کوئی روک نہ ہو' جس کے اختیارات پر کوئی تحدید (limitation) نہ ہو۔ ان صفات کی حامل ذات صرف اللہ کی ہے۔ لیکن وہ صرف العزیز ہی نہیں الحکیم بھی ہے۔ قرآن مجید میں اللہ کے یہ دو نام اکثر و بیشتر ساتھ ساتھ آتے ہیں۔ اس لئے کہ دنیا میں ہمارا تصور یہ ہے کہ جہاں اختیار زیادہ ہوتا ہے وہاں اس کے غلط استعمال کا امکان بھی زیادہ ہوتا ہے۔ چنانچہ پولٹیکل سائنس میں یہ بات ایک اصول کی حیثیت سے مانی جاتی ہے کہ:

Authority tends to corrupt and absolute authority corrupts absolutely.

لہٰذا ہمارے ہاں دُنیوی نظاموں میں جب کوئی دستور یا نظام العمل تشکیل دیا جاتا ہے تو عام طور پر Checks and Balances کا ایک نظام بھی وضع کیا جاتا ہے۔ اگر

کسی جگہ اختیارات کا ارتکاز ہو رہا ہے تو ان پر تحدید اور حدود و قیود بھی لازماً عائد کئے جاتے ہیں۔ لیکن اللہ کی ذات ہمارے اس تصور سے وراء الوراء ثم وراء الوراء ہے۔ اس کا اختیارِ مطلق حدود و قیود سے ماوراء ہے۔ اس پر نہ کسی قسم کے کوئی Checks ہیں نہ کوئی Balances۔ وہ جو چاہے کرے۔ وہ فَعَّالٌ لِمَا یُرِیْدُ ہے۔ اس کی شان تو یہ ہے کہ ﴿یَفْعَلُ مَا یَشَاءُ﴾ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ البتہ یہ بات جان لو کہ جہاں وہ العزیز ہے وہاں الحکیم بھی ہے۔ اس کا یہ اختیارِ مطلق الل ٹپ استعمال نہیں ہوتا' حکمت کاملہ کے تحت استعمال ہوتا ہے' اگر چہ یہ کہنا تو سوئے ادب ہوگا' بلکہ بنیادی طور پر یہ کہنا ہی غلط ہوگا کہ اللہ کا اختیار اُس کی حکمت کے تحت استعمال ہوتا ہے۔ یہ ''تحت'' کا لفظ اس اعتبار سے غلط ہے کہ ہم یہ مانتے ہیں کہ اللہ کی کوئی صفت کسی دوسری صفت کے تابع نہیں۔ جس طرح اللہ کی ذات مطلق ہے اسی طرح اس کی تمام صفات بھی مطلق ہیں۔ ان میں کہیں کوئی تحدید (limitation) نہیں ہے۔ اختیار بھی مطلق' حکمت بھی کاملہ۔ یہ دونوں صفات ساتھ ساتھ موجود ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں اللہ کے اسماء وصفات کا جہاں ذکر آتا ہے وہاں کبھی حرفِ عطف نہیں لایا جاتا ہے۔ حرفِ عطف مغائرت کو جنم دیتا ہے۔ اللہ کی ان دو صفات کے درمیان اگر حرفِ عطف لایا جائے تو اس کی شکل کچھ یوں ہوگی: ''وَھُوَ الْعَزِیْزُ وَالْحَکِیْمُ'' لیکن اس طرح واؤ کے بیچ میں آنے سے چونکہ کسی قدر فصل واقع ہوتا ہے لہٰذا قرآن میں یہ اسلوب کہیں اختیار نہیں کیا گیا۔ اللہ کی تمام شانیں اور صفات بیک وقت اُس کی ذات تبارک وتعالیٰ میں موجود ہیں' ان میں باہم کوئی بُعد اور کوئی فصل نہیں ہے۔ یہ ہے اس سورۂ مبارکہ کی پہلی آیت!

دوسری آیت ــــــ اقتدار و اختیار اللہ کا!

اب سورۃ الحدید کی دوسری آیت پر غور کیجئے۔ فرمایا:

﴿لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝﴾

''اسی کے لئے بادشاہی ہے آسمانوں اور زمین کی' وہ زندہ کرتا ہے اور موت دیتا ہے' اور وہ ہر چیز پر قادر ہے''۔

سورۃ الحدید کے بارے میں یہ بات مَیں عرض کر چکا ہوں کہ یہ اُمّ المسبّحات

ہے۔ چنانچہ وہ تمام مضامین جو سلسلۂ مسبّحات کی سورتوں میں ایک ایک کر کے آئے ہیں' کم وبیش ان سب کا کسی نہ کسی انداز میں ذکر یہاں سورۃ الحدید میں بھی موجود ہے۔ یہ مضمون اس سے قبل ہمارے اس منتخب نصاب میں اجمالاً سورۂ تغابن کے ضمن میں بیان ہو چکا ہے جس کا مطالعہ ''مباحثِ ایمان'' کے ذیل میں ہم کر چکے ہیں۔ وہاں الفاظ آئے ہیں: ﴿يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝﴾ گویا وہاں جو بات ایک آیت میں آئی تھی وہ یہاں دو آیتوں میں آئی ہے۔

﴿لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ یہاں شروع میں جو حرفِ جار ''ل'' آیا ہے وہ اگرچہ عربی زبان میں بہت سے معنوں کا حامل ہوتا ہے لیکن اکثر و بیشتر قرآن مجید میں ایسے مقامات پر اس کے دو معنی ملحوظ ہوتے ہیں' ایک لامِ استحقاق کے اعتبار سے اور دوسرا لامِ تملیک کے لحاظ سے۔ مفہوم یہ ہوگا کہ آسمانوں اور زمین کی بادشاہی کا حق بھی اللہ ہی کو پہنچتا ہے اور فی الواقع بھی یہاں اللہ ہی کی بادشاہی اور حکمرانی ہے۔ آج کی اصطلاح میں ہم یوں کہیں گے کہ "De facto" بھی وہی بادشاہ ہے اور "De Jure" بھی اُسی کی بادشاہی ہے۔ اسی کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ یہاں حکمرانی کرے۔ سورۃ الاعراف میں فرمایا گیا: ﴿اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ﴾ تخلیق اُس کی ہے' حکم بھی اسی کا چلے گا۔ کائنات اس نے پیدا کی ہے چنانچہ اسی کی مرضی اور اختیار یہاں جاری و ساری ہے۔ یہ اس کا استحقاق ہے' اور بالفعل بھی اسی کی حکومت کا سکہ یہاں رواں ہے' اسی کی مرضی اور اسی کا حکم چل رہا ہے۔

انسانی اختیار کی اصل حقیقت

اتنی وسیع و عریض کائنات کے کسی ایک گوشے میں اللہ تعالیٰ نے اپنی لاتعداد مخلوقات میں سے چند ایک کو زندگی کے کسی نہایت ہی محدود سے حصے میں کچھ اختیار بغرضِ آزمائش دے دیا ہے' ورنہ حقیقت یہ ہے کہ ہمارے اپنے وجود پر اللہ ہی کا حکم جاری و ساری ہے۔ ہمارا یہ پورا جسمانی نظام ہمارے اختیار میں نہیں ہے' بلکہ اللہ کے

بنائے ہوئے قانون کے تابع ہے۔ ہم اپنے جسم کے کسی حصّے پر بالوں کی افزائش کو روکنے پر قادر نہیں ہیں۔ ہمارے دل کی حرکت ہمارے اختیار میں نہیں ہے۔ پورے وجود پر اسی کا حکم نافذ ہے۔ البتہ ایک ذرا سا اختیار ہمیں دیا گیا ہے: ﴿اِمَّا شَاكِرًا وَّ اِمَّا كَفُوْرًا﴾ "چاہے اللہ کے شکر گزار بن کر رہو اور چاہے ناشکری کی روش اختیار کرو"۔ سورۃ الکہف کی ایک آیت کے حوالے سے بھی یہ مضمون اس سے قبل ہمارے مطالعے میں آ چکا ہے: ﴿فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ﴾ "جو چاہے ایمان کا راستہ اختیار کرے اور جو چاہے کفر کرے"۔ پس اسی قدر اختیار ہمیں دیا گیا ہے۔ یہ ہلدی کی وہ گانٹھ ہے کہ اس کو لے کر کوئی اگر پنساری بن بیٹھے تو بن جائے لیکن حقیقت یہ ہے کہ جب ذرا یہ پردہ اٹھے گا اور دوسرے عالم میں انسان کی آنکھ کھلے گی تو معلوم ہو جائے گا کہ ع

خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا' جو سنا افسانہ تھا!

یہ اختیار اور یہ اقتدار' یہ فرعونیت اور یہ قارونیت سب طشت از بام ہو جائے گی۔ معلوم ہو گا کہ یہ ایک دو گھنٹے کا کوئی ڈرامہ تھا کہ جس میں مختلف لوگوں کو عارضی طور پر مختلف کردار الاٹ کر دیئے جاتے ہیں' جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اس حقیقت کو قرآن مجید میں یوں بیان فرمایا گیا کہ ﴿وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ﴾ "دنیا کی یہ زندگی محض دھوکے کا سامان ہے" اور فرمایا: ﴿وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ﴾ "دنیا کی زندگی کی حقیقت کھیل کود کے سوا اور کچھ نہیں"۔ تو جان لیجئے کہ فی الاصل بادشاہی اِس وقت بھی اُسی کی ہے: ﴿لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾

ملحدین کے تصوّرِ موت وحیات کی تردید

آیت کے اگلے ٹکڑے میں فرمایا: ﴿يُحْيٖ وَيُمِيْتُ﴾ "وہی زندہ رکھتا ہے اور وہی موت وارد کرتا ہے"۔ یعنی حیات وموت کا یہ سلسلہ از خود نہیں چل رہا' یہ اذنِ ربّ کے تابع ہے' اللہ کے حکم کے تحت ہے۔ ذرا توجہ کیجئے کہ صرف فعل کی نسبت کے حوالے سے زمین وآسمان کا فرق واقع ہو جاتا ہے! اس بات کو کہنے کا ایک انداز تو یہ ہے کہ:

''ہم خود زندہ ہیں' خود مرتے ہیں''۔ لفظ خود کو اگر نکال بھی دیا جائے تو یوں کہا جائے گا کہ ''ہم زندہ ہیں' ہم مرتے ہیں''۔ لیکن دوسرا انداز یہ ہے کہ ''وہ (اللہ) ہمیں زندہ رکھے ہوئے ہے اور وہی موت وارد کرتا ہے''۔ ان دو جملوں میں بظاہر کوئی ایسا لمبا چوڑا فرق نہیں ہے لیکن نقطۂ نظر کے اعتبار سے ان کے حوالے سے زمین و آسمان کا فرق واقع ہو جاتا ہے۔ ایک حقیقت سے محجوبیت کی عکاسی کرتا ہے' مادہ پرستی اور الحاد کی طرف لے جانے والا ہے' جبکہ دوسرا جملہ معرفت پر مبنی ہے' ایمان باللہ کا مظہر ہے اور حقائق پر نگاہ ہونے کا پتہ دیتا ہے۔

جب تک نہ زندگی کے حقائق پہ ہو نظر
تیرا زجاج ہو نہ سکے گا حریفِ سنگ

چنانچہ اقسامِ شرک کی بحث کے ضمن میں قرآن مجید کی وہ آیت ہمارے مطالعے میں آ چکی ہے جس میں ملحدین کا پورا نقطۂ نظر چند الفاظ میں سمو دیا گیا ہے: ﴿مَا هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا نَمُوْتُ وَنَحْیَا﴾ ''نہیں ہے کوئی زندگی سوائے اس دنیا کی زندگی کے' ہم خود مرتے ہیں' خود جیتے ہیں''۔ وہاں موت اور حیات کی نسبت خود اپنی طرف کی گئی ہے جبکہ یہاں سورۃ الحدید میں اس کے بالکل برعکس بات آئی ہے: ﴿یُحْیِ وَیُمِیْتُ﴾ ''وہی (اللہ) زندگی عطا فرماتا ہے اور وہی موت دیتا ہے''۔ یہ اس کا فیصلہ اور اختیار ہے کہ جسے چاہے خلعتِ حیات سے سرفراز فرمائے اور جب تک چاہے اس کی زندگی کو برقرار رکھے۔ اور جب چاہے سلسلۂ حیات کو منقطع کر دے۔ اس سے قبل سورۂ آل عمران میں مباحثِ صبر کے ذیل میں اس آیت کا حوالہ آ چکا ہے' جس کا مضمون بالکل یہی ہے: ﴿وَمَا کَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ کِتٰبًا مُّؤَجَّلًا﴾ کہ موت بھی نہیں آ سکتی جب تک کہ اللہ کا اِذن نہ ہو۔ تم لاکھ چاہو کہ موت آ جائے نہیں آئے گی' تم لاکھ اپنی جان لینا چاہو' نہیں لے سکو گے اگر اللہ کو منظور نہ ہو اور اس کا اذن نہ ہو۔ یہ سلسلۂ موت و حیات اسی کے اختیار میں ہے۔ آگے فرمایا: ﴿وَهُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ﴾ ''اور وہ ہر چیز پر قادر ہے''۔ اس کے حیطۂ اقتدار سے کوئی

صفاتِ باری تعالیٰ کی کیفیت وکمیت؟

سورۃ التغابن کے درس میں تفصیل سے عرض کیا جا چکا ہے کہ ذات وصفات باری تعالیٰ کی بحث کو دو حصّوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ اس کا ایک پہلو تو وہ ہے جو ہماری سوچ' ہماری فکر' ہمارے تخیل' ہمارے واہمے' سب سے وراء الوراء' ثم وراء الوراء' ثم وراء الوراء ہے۔ یہ تو ہے ذاتِ باری تعالیٰ کی ماہیت وکُنہ کا معاملہ۔ اس کے بارے میں جس نے بھی یہ کہا ہے صحیح کہا ہے کہ ع

اے برتر از خیال وقیاس وگمان ووہم!

دوسرا پہلو ہے صفات کے حوالے سے معرفتِ الٰہی کے حصول کا۔ ہمارے لئے اللہ کی معرفت کا یہی واحد راستہ ہے' لیکن صفات کے بارے میں بھی یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ نہ ان کی کیفیت ہمیں معلوم ہے نہ ان کی کمیت کا کوئی تصور ہم کر سکتے ہیں! ہم جانتے ہیں کہ وہ سمیع ہے' سننے والا ہے' لیکن وہ کیسے سنتا ہے؟ یہ ہم نہیں جانتے۔ وہ کتنا سمیع ہے؟ یہ بھی نہیں جان سکتے! ہم جانتے ہیں کہ وہ قدیر ہے۔ کتنا قادر ہے؟ اس کا احاطہ کرنا ہمارے لئے ممکن نہیں۔ لہٰذا اس معاملے میں ایک لفظ ہماری پناہ گاہ ہے اور وہ ہے ''کُل''۔ ﴿وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝﴾ ''وہ ہر چیز پر قادر ہے'' اور ﴿وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝﴾ ''وہ ہر شے کا علم رکھنے والا ہے''۔ یہ بات واضح رہنی چاہئے کہ اس ''کُل'' کا تصور ذہنی سطح کے اعتبار سے بدلتا جاتا ہے۔ کسی کا ذہن اگر بہت ہی محدود ہے تو اس کا تصورِ ''کُل'' بھی بہت چھوٹا سا ہوگا۔ اسی طرح کسی کے ذہن کو اگر وسعت حاصل ہے تو ''کُل'' کا لفظ اس کے لئے وسعت اختیار کر جائے گا' اور جیسے جیسے آپ آگے بڑھیں گے اس لفظِ ''کُل'' کا مفہوم وسعت اختیار کرتا چلا جائے گا' اور یہ معاملہ وہ ہے کہ جس کی کوئی حد ونہایت نہیں۔

تیسری آیت ...... مشکل ترین مقام

اب آیئے سورۃ الحدید کی تیسری آیت کی طرف! یہ قرآن مجید کے مشکل ترین مقامات میں سے ہے۔ ذات وصفات باری تعالیٰ کی بحث یہاں اعلیٰ ترین علمی سطح پر

آئی ہے:

﴿هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ﴾

''وہی ہے اوّل (پہلا)' اور وہی ہے آخر (پچھلا)' وہی ہے ظاہر (انتہائی نمایاں بھی اور غالب بھی) اور وہی ہے باطن (انتہائی مخفی اور چھپا ہوا)''۔

ان چار الفاظ کے حوالے سے ذاتِ باری تعالیٰ کے بارے میں جو نقشہ سامنے آتا ہے اور جو تاثر ابھرتا ہے' واقعہ یہ ہے کہ وہ عقولِ متوسطہ کی گرفت میں آنے والی بات نہیں۔ اگرچہ نبی اکرم ﷺ نے اپنی ایک دعا میں ان الفاظ کی ایک عام فہم تعبیر کے ذریعے عقولِ متوسطہ کے لئے معاملے کو آسان بنا دیا ہے۔ اس لئے کہ قرآن مجید سب کے لئے ہدایت بن کر نازل ہوا ہے۔ عام لوگ جب اس مقام سے گزریں گے تو ان الفاظ کا کوئی نہ کوئی مفہوم ان کے سامنے آنا چاہئے۔ آپ ﷺ کی ایک دعا کتبِ احادیث میں نقل ہوئی ہے:

((اَنْتَ الْاَوَّلُ فَلَیْسَ قَبْلَکَ شَیْئٌ وَاَنْتَ الْآخِرُ فَلَیْسَ بَعْدَکَ شَیْئٌ وَاَنْتَ الظَّاهِرُ فَلَیْسَ فَوْقَکَ شَیْئٌ وَاَنْتَ الْبَاطِنُ فَلَیْسَ دُوْنَکَ شَیْئٌ))

''اے اللہ! تُو وہ پہلا ہے کہ تجھ سے پہلے کچھ نہیں تھا' تُو وہ آخر ہے کہ جس کے بعد کچھ نہیں' تُو وہ ظاہر اور غالب ہے کہ جس کے اوپر کچھ نہیں' اور تُو وہ مخفی ہے کہ تجھ سے پرے اور تجھ سے زیادہ مخفی اور کوئی نہیں!''

زیر نظر آیت کے الفاظ پر گہرائی میں اتر کر غور کرنے سے پہلے یہ بات جان لیجئے کہ ایمان باللہ یا ذات و صفاتِ باری تعالیٰ کے ضمن میں پہلی بات تو یہی ہے کہ خالق کو پہچانا جائے۔ پھر وہ مصور اور خالق کہ جس نے اس کائنات کو پیدا فرمایا' اس کی صفاتِ کمال کا بھی ایک اجمالی علم حاصل ہونا ضروری ہے۔ عام لوگوں کے لئے اتنی ہی بات کافی ہے۔ اس کے بعد معاملہ عمل کا رہ جاتا ہے کہ اسی کو پکارو' اسی سے محبت کرو' اسی کو پوجو' اسی کی اطاعت کرو' اسی کے سامنے سر جھکاؤ' اسی سے مانگو' اسی سے دعا کرو! اس طرح گویا کلمۂ توحید: ''لا الٰہ الا اللہ'' کے ان تمام مضمرات کا احاطہ ہو جاتا ہے جن کی نشاندہی اہلِ علم و معرفت نے عوام الناس کے لئے کی ہے' یعنی: لَا مَعْبُوْدَ اِلَّا اللّٰہُ' لَا

مَطْلُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ' لَا مَقْصُوْدَ اِلَّا اللّٰهُ' لَا مَحْبُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ۔

خالق ومخلوق کا باہمی تعلّق ......فلسفۂ وجود کا اہم ترین مسئلہ

جیسا کہ ابتداء میں عرض کیا گیا تھا' کچھ ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں کہ جن کا ذہن یہاں رکتا نہیں۔ خالق ومخلوق اور عبد ومعبود کی ثنویت اوران کا جدا جدا تصور ایک سوال کو مستلزم ہو جاتا ہے کہ ان کے مابین ربط وتعلق کی نوعیت کیا ہے؟ اس مسئلے کو ہمارے یہاں علم الکلام کی اصطلاح میں ''ربط الحادث بالقدیم'' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ مان لیا کہ یہ کائنات بغیر کسی پیدا کرنے والے کے نہیں ہے' سلسلۂ مخلوقات مستلزم ہے خالق کی ذات کو' لیکن سوال یہ ہے کہ خالق ومخلوق کا باہمی تعلق کیا ہے؟ ان دونوں کے مابین نسبت کیا ہے؟ فلسفۂ وجود (Philosophy of Being) کا سب سے مشکل مسئلہ یہی ہے کہ آیا اس کائنات میں خالق ومخلوق اور عبد ومعبود کے مابین کوئی ثنویت اور دوئی ہے کہ خالق کو جدا سمجھا جائے اور مخلوق کو جدا' یا یہ کہ ان کے مابین کوئی اور تعلق ہے! اور اگر کچھ اور ہے تو وہ کیا ہے؟

خلق کے ضمن میں ایک بالکل ابتدائی سطح کا تصور تو یہ ہے کہ جیسے کسی بڑھئی نے لکڑی سے کرسی اور میز بنادی یا کسی لوہار نے لوہے سے کوئی چیز بنادی۔ یہ خلق کا سب سے بنیادی اور ابتدائی تصور (Primitive Concept) ہے۔ مذاہبِ عالم میں بھی یہ تصور موجود رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک مرحلے پر انہیں ماننا پڑتا ہے کہ خالق بھی قدیم ہے اور مادہ بھی قدیم' اس لئے کہ بڑھئی کو کرسی بنانے کے لئے لکڑی بہرحال چاہئے' اسی طرح لوہار کو کوئی توا یا پرات بنانے کیلئے لوہا بہرحال درکار ہوگا' اس کی تخلیقی قوت کسی مادے پر ہی اپنا اثر ظاہر کرے گی۔ لہٰذا مانا گیا کہ خدا بھی قدیم ہے اور مادہ بھی قدیم۔ اس سے بھی آگے بڑھ کر تعددِ قُدَماء کا تصور پیش کیا گیا کہ خدا بھی قدیم' مادہ بھی قدیم اور روح بھی قدیم!

ایک دوسرا تصور لوگوں کے ذہن میں آیا کہ خالق ومخلوق کا باہمی تعلق اسی نوعیت کا ہے جیسے برف پگھل کر پانی بن جائے۔ اب برف کو تلاش کرنا کہ وہ کہاں ہے' ایک بے معنی سی بات ہے۔ وہ برف اب کہیں نہیں ہے' یہ پانی ہی برف ہے۔ اب وہ پانی اگر

بھاپ بن کر اڑ جائے تو پانی کا اب کوئی علیحدہ وجود نہیں ہے' وہی بھاپ پانی بھی ہے اور وہی بھاپ برف بھی ہے۔ اس طرح کا ایک تصور ذاتِ باری تعالیٰ کے بارے میں بھی قائم کیا گیا کہ خالق ہی نے درحقیقت کائنات کی شکل اختیار کر لی ہے۔ یہ عقیدہ ہمہ اوست (Pantheism) کہلاتا ہے جو بدترین شرک ہے' کہ اس کی رُو سے ہر شے الوہیت کی حامل بن جاتی ہے۔ کسی نے کہا کہ خدا اِس کائنات میں حل ہو گیا ہے۔ یہ سب گمراہی کی صورتیں ہیں ۔

حلول و اتحاد ایں جا محال است
کہ در وحدت دوئی عینِ ضلال است

حلول واتحاد کی مثال یوں دی جاتی ہے کہ جیسے پانی میں شکر گھل جاتی ہے اور شکر کا علیحدہ وجود ختم ہو جاتا ہے اسی طرح اللہ اس کائنات میں حلول کر گیا ہے۔ خالق ومخلوق کے تعلق کے ضمن میں یہ مختلف تصورات دنیا میں رہے ہیں۔ سوچنے والے بہرحال سوچنے پر مجبور تھے۔ یہ کہنا صحیح نہ ہوگا کہ انہیں سوچنا نہیں چاہئے تھا۔ یہ بات ان لوگوں کے لئے تو صحیح ہے کہ جن کے ذہن میں وہ سوال پیدا ہی نہیں ہوا۔ جسے پیاس لگی ہی نہ ہو اس کا معاملہ مختلف ہوگا' لیکن جسے لگ گئی ہو اُسے تو اب پانی تلاش کرنا ہوگا۔ چنانچہ جن لوگوں کے ذہنوں میں یہ مسائل کلبلا رہے ہوں' جو لوگ فلسفیانہ مزاج کے حامل ہوں' اور جن کی افتادِ طبع یہ ہو کہ وہ ہر شے کی حقیقت کو جاننا چاہتے ہوں' بقولِ شاعر ؎

اے اہلِ نظر ذوقِ نظر خوب ہے لیکن
جو شے کی حقیقت کو نہ سمجھے وہ نظر کیا!

وہ ان مسائل پر غور وفکر کرنے پر مجبور ہوتے ہیں اور خود کو اس معاملے میں بے بس پاتے ہیں۔ (جاری ہے)